

لطیفہ ۵۴

ان بعض شعرا کا ذکر جو صوفیہ صافیہ اور طائفہ عالیہ کے مشرب کا ذوق رکھتے تھے

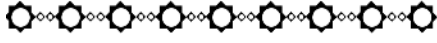
حضرت قدوۃ الکبریٰ فرماتے تھے کہ شعر فی الحقیقت اپنی ذات میں مذموم نہیں ہے بلکہ اس کے اچھے یا برے ہونے کا حکم اس کے اثر کے اعتبار سے ہوگا جیسے کہ کہا گیا ہے، ہو کلام فحسنة حسن و قبیحہ قبیح یعنی شعر ایسا کلام ہے جس کی خوبی خوب تر اور بدی بدتر ہے۔ یہ جو حق تعالیٰ نے آیت پاک و مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ط (اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں۔) میں نبی اور شاعر کی یکجائی کی نفی کی ہے تو اس کا سبب واضح ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن پاک کو اس امر کا مظہر ٹھہرایا کہ وہ شعر کی آلائش کی تہمت سے مبرا ہے، اس کے علاوہ قرآنی بلاغت کے پرچم کو بَلُّ هُوَ شَاعِرٌ ط (بلکہ اسے (اپنی طرف سے) گھڑ لیا ہے) (کچھ نہیں) کے الزام کی پستی سے نکال کر وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ط (اور ہم نے اپنے نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان (کی شان) کے لائق ہے) کے اور ج تقدس پر لہرانا مقصود تھا، نہ یہ ثابت کرنا کہ شعر اپنی ذات کی حد تک بری چیز ہے یا شاعریت اور کلام منظوم کا دارد ہونا معیوب اور قابل ملامت ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ نظم قرآن کی تفہیم میں قاصر رہنے والے اسے سلیقہ شعر کا محتاج خیال نہ کریں اور جھگڑا و مزاج کے لوگ، اللہ انہیں رسوا کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعرا کے زمرے میں شمار نہ کریں۔ یہ شعر اور شعرا کے مقام کی رفعت اور ان کی اثر آفرینی کی منزلت کی واضح ترین دلیل ہے۔ مرتبہ شعر ملاحظہ کریں کہ کس طرح نبی کی بعثت سے انکار کرنے اور قرآن عظیم پر شاعری کی تہمت دھرنے کی تصحیح فرمائی ہے۔

بہر حال اس امر کے باوجود حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم شعرا کے متقدّمین کے اشعار توجہ سے سماعت فرماتے تھے چنانچہ ایک روز صحابہؓ میں سے ایک صحابی آپ ﷺ کے ساتھ سواری پر جا رہے تھے ان سے آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تمہیں اگلے شاعروں کے شعر یاد ہیں۔ انہوں نے تقریباً ایک ہزار اشعار متفرقہ سنائے۔ آپ ﷺ نے تحسین فرمائی۔

ط پارہ ۲۹۔ سورہ الحاقہ، آیت ۴۱

ط پارہ ۱۷۔ سورہ الانبیاء آیت ۵

ط پارہ ۲۳۔ سورہ یاسین آیت ۶۹



احمد خلیل [ؒ] سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام کی کتابِ قصیدہ سے دو شعر منقول ہیں [ؒ] (نقل از احمد خلیل است کہ دو بیت از قصیدہ دفتر رسول ^ﷺ منقولست)

رضینا قسمة الجبار فینا

لنا علم وللاعداء مال

(ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تقسیم کیا ہے ہم اس پر راضی ہیں۔ ہمارے لیے علم ہے اور دشمنوں کے لیے مال ہے)

فان المال یفنی عنقریب

وان العلم باقی لایز ال

(پس بے شک مال تھوڑی سی مدت میں فنا ہو جاتا ہے اور بے شک علم ہمیشہ باقی رہتا ہے)

آپ ^ﷺ کے اصحاب کے بہت سے اشعار (کتابوں میں) نقل کیے گئے ہیں، خاص طور پر حضرت علیؓ کا ایک دیوان ہے، جس کے اشعار و مقولات آفتابِ حقائق کا مطلع اور دقیق کلمات کا سرچشمہ ہیں اور جو اصحاب تحقیق و تدقیق کا دستور العمل رہے ہیں۔ علاوہ ازیں فضیلتِ شعر سے متعلق جو کچھ اولیائے کبار اور نامور اہل بلاغت سے روایت کیا گیا ہے اسے شرح و بسط سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ بیت

خاصہ کلیدے کہ در گنج راست

زیر زباں مرد سخن سنج راست

(حقائق کے) خزانے کے دروازے کی خاص کنجی مرد سخن سنج کے زیر زباں ہوتی ہے)

رودکی

رودکی [ؒ] کا تعلق ماورا النہر سے ہے۔ وہ مادر زاد نابینا تھا لیکن ایسے ذہین اور تیز فہم تھے کہ آٹھ سال کی عمر میں قرآن

۱۔ ان کا نام خلیل بن احمد بصری فراہیدی الازدی نحوی ہے۔ علم نحو کے جلیل القدر عالم اور علم عروض کے بانی تھے۔ ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ ”کتاب العین“ ان کی تصنیف کردہ ہے جو اب ناپید ہو چکی ہے البتہ اس کے چند اجزا جو دستیاب ہوئے شائع ہو چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ ”تاریخ ادب الملغنی العربیہ“ حصہ دوم مصنفہ جرجی زیدان مطبوعہ دارالہلال قاہرہ ۱۹۵۸ء صص ۱۴۰ تا ۱۴۴۔

۲۔ خلیل بن احمد بصری نحوی کی اس روایت سے متعلق جو مطبوعہ نسخہ کے صفحہ ۳۶۱ پر منقول ہے مترجم کچھ عرض کرنے سے قاصر ہے، علمائے حدیث ہی اس کے بارے میں رائے دے سکتے ہیں۔ مترجم کے علم کی حد تک ڈاکٹر خلیق احمد نظامی مرحوم نے پہلا شعر حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ، سے منسوب کیا ہے۔ ”دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین گنج شکر“ کے مترجم قاضی محمد حفیظ اللہ نے اپنے حاشیے میں بغیر کسی حوالے کے یہ شعر حضرت علیؓ کی تخلیق بتایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ”احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر“ لاہور ۱۹۸۳ء/ ۱۴۰۳ھ ص ۱۷۶۔

۳۔ رودکی تخلص اور ابو عبد اللہ جعفر بن محمد نام تھا۔ ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ اسے فارسی شاعری کا باو آدم خیال کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ”دیوان کامل رودکی“ مرتبہ نصرت اللہ نوح تہران چاپ اول ۱۳۶۳ ش ص ۶ تا ۷۔



شریف حفظ کر لیا اور شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ آواز اچھی تھی اس لیے موسیقی کے فن سے لگاؤ پیدا ہو گیا اور عود بجانا سیکھا اور اس فن میں مہارت حاصل کر لی۔ نصر بن محمد سامانی اُن کا مربی تھا۔ کہتے ہیں کہ سفر میں دو سو غلام اور چار سو بار بردار اونٹ اُن کے ہمراہ ہوتے تھے۔ اُن کے بعد کسی شاعر کو یہ طاقت و قدرت حاصل نہ ہوئی۔ اس بیان کی ذمہ داری راوی پر ہے کہ اُن کے اشعار کی سو جلدیں برآمد ہوئیں۔ شرح عین میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار تین سو ہے۔ انہوں نے شراب کی صفت میں کہا ہے۔ ایات:

آں عقیقین مے کہ ہر کہ بدید
از عقیق گداختہ نشناخت
(جس کسی نے محبوب کے سرخ لبوں کو دیکھا وہ تمیز نہ کر سکا کہ یہ لب محبوب ہے یا پگھلا ہوا عقیق ہے)
ہر دو یک جوہر اندلیک بطبع
ایں بیفسر دط آں دگر بگداخت
(اگرچہ دونوں کا جوہر ایک ہے لیکن از روئے طبیعت ایک ٹھہر گیا اور دوسرا پگھل گیا)
نابسودہ دو دست رنگیں کرد
نا چشمہ بتارک اندر تاخت
(بغیر گھسے دونوں ہاتھ رنگین کر دیئے بغیر چکھے سر میں نشہ پیدا کر دیا)
لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ رباعی ۵:

زمانہ پندی آزادگانہ داد مرا
زمانہ چوہمی بنگری ہمہ پنداست
(زمانے نے مجھے واضح طور پر نصیحت کی کہ اگر تو زمانے کا بغور مشاہدہ کرے تو تمام تر نصیحت ہے)
زروز نیک کساں غم مخور زبد زنہار
بسا کساں کہ بروز تو آرزو منداست

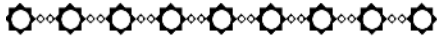
(لوگوں کے اچھے دنوں پر برائی کے ساتھ رنجیدہ نہ ہو کیونکہ بہت سے لوگ شاید تیرے زوال کے آرزو مند ہوں)
بعض تاریخوں میں یہ واقعہ مذکور ہوا ہے کہ نصیر ابن احمد ۵ (سیر و تفریح کے لیے) بخارا سے نکل کر مروشا جہاں میں

۵ مطبوعہ نسخے میں ”بیفسر د“ نقل کیا گیا ہے۔ مترجم نے دیوان رودکی کے مطابق ”بیفسر د“ کو درست قیاس کر کے ترجمہ کیا ہے۔

۶ یہ اشعار رباعی کے معروف وزن اور بحر میں نہیں ہیں۔

۷ غالباً سہو کتابت کے باعث ”نصیر ابن احمد“ نقل ہوا ہے۔ صحیح ”نصر بن احمد“ ہے جو رودکی کا ممدوح تھا۔ ملاحظہ فرمائیں، ”سید حسن غزنوی“ مصنفہ ڈاکٹر

غلام مصطفیٰ خاں صاحب کراچی ۱۹۹۸ء ص ۲۳۲۔



فروش ہوا اور مدتوں قیام پذیر رہا۔ اس کے درباری امیروں کو بخارا کے محلوں اور باغوں کی یادستانے لگی انہوں نے رودکی سے بہت سی باتیں کہیں (اصرار کیا) چنانچہ رودکی نے چند ایسے اشعار نظم کیے جن میں بخارا کے شوق اور اس کی جانب رغبت کے جذبات تھے اور انہیں مناسب وقت پر عود کے ساتھ گا کر بادشاہ کو سنائے۔ رباعی ط:

بوئے جوئے مولیاں آید ہی

یاد یار مہرباں آید ہی

(مجھے دریائے مولیاں کی خوشبو آ رہی ہے (اسی کے ساتھ) مہربان دوست کی یاد آنے لگی ہے)

ریگ آموی و درشتی راہ او

زیرِ پایم پرنیاں آید ہی

(دریائے آموی کی ریت اور اس کے راستے کی سختی مجھے نرم ریشم کے کپڑے کی مانند محسوس ہو رہی ہے)

آب جیجوں از نشاطِ روئے دوست

خنک مارا تامیاں آید ہی

(دوست کے دیدار کی خوشی میں (کوئی پروا نہیں) کہ دریائے جیجوں کا پانی ہمارے گھوڑے کی پیٹھ تک آ گیا ہے)

اے بخارا شاد باش و دیرزی

میرزی تو شاد ماں آید ہی

(اے بخارا تو خوش رہ تیری رونق دیر تک قائم رہے تیرا سردار شادمانی کے ساتھ واپس آ رہا ہے)

میر ماہست و بخارا آسماں

ماہ سوئے آسماں آید ہی

(بادشاہ چاند ہے اور بخارا آسمان ہے۔ اب یہ چاند آسمان پر رونق افروز ہو رہا ہے)

میر سروست و بخارا بوستاں

سرو سوئے بوستاں آید ہی

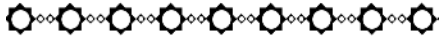
ط رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں یہ کئی اشعار ہیں۔ مترجم نے تمام اشعار رودکی کے مذکورہ دیوان سے نقل کیے ہیں کیونکہ لطائفِ اشرفی کے مطبوعہ نسخے میں اکثر مصرعے صحیح طور پر نقل نہیں ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غزل (یا قطعے) کا پہلا مصرع مطبوعہ نسخے میں اس طرح تحریر کیا گیا ہے:

باوجود مولیاں آید ہی

جبکہ صحیح مصرع یوں ہے۔

بوئے جوئے مولیاں آید ہی

یہ مصرع زیادہ واضح ہے۔ ملاحظہ فرمائیں دیوان کامل رودکی سمرقندی ص ۵۹۔



(بادشاہ سروہے اور بخارا بوستاں ہے۔ یہ سرواب بوستاں کی جانب آرہا ہے)
ان اشعار نے بادشاہ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اپنے خاص گھوڑے پر سوار ہوا اور بغیر کہیں رُکے بخارا پہنچ کر دم لیا۔ بعض تاریخ کی کتابوں میں اس واقعے کو سلطان سنجر اور امیر مغربی سے منسوب کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حکیم سنائی غزنویؒ

حکیم سنائی غزنویؒ ھ کی کنیت ابوالمجد (اور نام) مجدد ھ۔ بن آدم تھا۔ وہ شیخ ۳ علی لالا کے والد کے چچازاد بھائیوں میں سے تھے جو گروہ صوفیہ کے شعرا سے رغبت رکھتے تھے۔ حکیم سنائی کے کلام کو تحقیق کر کے ان کی تصانیف میں شامل کیا گیا ہے۔ کتاب (مثنوی) حدیقتہ الحقیقہ، آپ کے کمال شاعری نیز اہل معرفت و توحید کے ذوق و وجدان پر قاطع اور واضح دلیل ہے۔ آپ خواجہ یوسف ہمدانی ھ کے مرید تھے۔ آپ کے توبہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں سلطان محمود سبکتگین نے کافروں کے ملک فتح کرنے کے لیے فوج کشی کی۔ جب وہ غزنین سے باہر نکلا تو آپ نے سلطان کی مدح میں قصیدہ کہا۔ اسے سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے جا رہے تھے کہ راستے میں شراب کی بھٹی کے سامنے سے گزرے۔ دیکھا کہ ایک مجذوب انتہائی مدہوشی اور مستی کے عالم میں ہیں۔ یہ مجذوب اپنی بلاوشی کی وجہ سے مشہور تھے کیونکہ بے توقف جام پر جام چڑھانے کے عادی تھے۔ آپ نے سنا کہ ان مجذوب نے اپنے ساتی سے کہا، سلطان محمود سبکتگین کے اندھے پن کے طفیل ایک قدر بھر دے کہ میں اسے نوش کروں۔ ساتی نے کہا، (ایسی بات نہ کہو) سلطان مرد غازی اور بادشاہ اسلام ہیں۔ مجذوب نے کہا، ناپسندیدہ شخص ہے۔ جو ملک اس کے تصرف میں ہے وہاں نظم و ضبط پیدا نہیں کر سکتا۔ عدل قائم نہیں رکھ سکتا اس کے باوجود دوسرے ملک فتح کرنے کی دُھن میں ہے۔ یہ کہا اور پیالہ پی گیا۔ پھر ساتی سے دوسرا پیالہ یہ کہہ کر طلب کیا کہ اسے سنائی شاعر کے اندھے پن کے صدقے میں بھر دے۔ ساتی نے کہا، سنائی بڑے صاحب فضل اور لطیف طبع شخص ہیں۔ مجذوب نے کہا، اگر وہ لطیف طبع ہوتا تو ایسے کام میں مشغول ہوتا جو اس کے لیے مفید ہوتا۔ ھ اسی کیفیت میں چند برہنہ پائے اور کاغذ پر تحریر کیا کہ:

”اسے کوئی کام نہیں آتا اور نہیں جانتا کہ اسے کس لیے پیدا کیا گیا ہے“

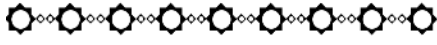
سنائی نے جب یہ جملے سنے تو ان کی حالت متعیر ہو گئی اور اُس تپلھٹ نوش کی توجہ سے اپنی غفلت کی مستی سے ہوشیار ہو گئے۔ بعد ازاں طریقت کی راہ میں قدم رکھا اور سلوک میں مشغول ہو گئے۔

۱۔ حکیم سنائی غزنوی کا سال وفات ۵۳۵ھ ہے۔ بحوالہ ”سرچشمہ تصوف در ایران“ ص ۲۰۴۔

۲۔ مطبوعہ نئے کے صفحہ ۳۶۲ پر حکیم سنائی کا نام سہ کتابت کے باعث مخزود بن آدم نقل کیا گیا ہے۔ صحیح نام مجدد بن آدم ہے۔ ملاحظہ ہو حوالہ محولہ بالا۔

۳۔ خواجہ یوسف ہمدانی کی کنیت ابویقوب تھی۔ آپ نے ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ (سرچشمہ تصوف در ایران ص ۲۰۴)۔

۴۔ اس کے بعد یہ جملہ نقل کیا گیا ہے، ”کذافی چند برہنہ یافتہ“ اس جملے کا مفہوم مترجم نہیں سمجھ سکا اس لیے لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔



مولانا جلال الدین رومی کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ خواجہ سنائی جن ایام میں قریب المرگ تھے ایک روز کوئی بات زبان پر لائے۔ حاضرین اپنے کان ان کے منہ کے قریب لے گئے۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔ بیت:

باز گشتم ز اں کہ گفتم ز اں کہ نیست
درخن معنی و در معنی سخن

(جو کچھ میں نے کہا اس سے لوٹ آیا کیونکہ کلام میں معنی نہیں ہیں اور معنی میں کلام نہیں ہوتا)

ایک عزیز نے جب یہ شعر سنا تو کہا کہ یہ عجیب حال ہے کہ شاعری ترک کرنے کے باوجود شاعری میں مشغول ہیں۔ آپ ہمیشہ گوشہ نشین اور سب سے الگ تھلگ رہے۔ آپ کے کلمات آپ کے اشعار سے ظاہر ہیں، بنا بریں اس کی کیا ضرورت ہے کہ کوئی شخص آپ کی منقبت سے متعلق کچھ تحریر کرے۔ مثنوی:

اے کہ شنیدی صفتِ روم و چین
خیز و بیا ملکِ سنائی بہ ہیں

(اے مخاطب تو نے روم اور چین کی صفت سن لی ہے، اب اٹھ اور سنائی (کی شاعری) کا ملک بھی آ کر دیکھ)

تاہمہ دلِ بنی و بے حرص و بخل
تاہمہ جاںِ بنی و بے کبر و کین

(تو اسے سراسر ایسا دل دیکھے گا جس میں حرص و بخل نہیں ہے، اسے تمام تر ایسی جان محسوس کرے گا جس میں تکبر اور عداوت نہیں ہے)

پائے نہ و چرخِ بزیرِ قدم
دست نہ و ملکِ بزیرِ نگیں

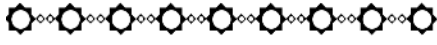
(پاؤں نہ ہونے کے باوجود آسمان زیرِ قدم ہے۔ ہاتھ نہ ہونے کے باوجود حکم کے ماتحت ہے)

ورنہ دکانِ ملکی زیرِ دست
چوں نہ رود است فلکِ زیرِ زیں

(یہ اس لیے ممکن ہے کہ ملکی مقام اس کے ماتحت اور آسمان اس کی زین کے نیچے ہوتا ہے)

قطعہ:

ایں جہاں بر مثالِ مردار است
کرگساں اندرو ہزار ہزار



(یہ جہان ناپاک لاش کی مثل ہے جس پر ہزار ہا گدھ منڈلا رہے ہیں)
 ایں مرآں راہمی زند نخب
 واں مرایں راہمی زند منقار
 (یہ ناپاک لاش ان کو عاجز کر دیتی ہے اور وہ اسے چونچ مارتے رہتے ہیں)
 آخر الامر بگذرند ہمہ
 وز ہمہ باز ماند ایں مردار
 (آخر کار سب وہاں سے چلے جاتے ہیں اور یہ ناپاک لاش سب سے پیچھے رہ جاتی ہے)

رباعی:

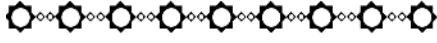
برسین سریر سرسپاہ آمد عشق
 برمیم ملوک ہچو ماہ آمد عشق
 برکاف کمال گل کلاہ آمد عشق
 با ایں ہمہ یک قدم زراہ آمد عشق

(جب عشق آتا ہے تو بادشاہ تخت حکومت اور ملک ترک کر دیتے ہیں۔ عشق انسان کو اورج کمال پر پہنچاتا ہے یہ تمام عظمتیں اور بلندیاں عشق کی معراج نہیں ہیں بلکہ اس کی راہ میں صرف ایک قدم چلنا ہے)۔
 آپ کا ایک قصیدہ ہے جس میں ایک سو اسی سے زیادہ اشعار ہیں اور جسے ”رموز الانبیا کنوز الاولیا“ کہتے ہیں اس قصیدے میں آپ نے (معرفت کے) حقائق و لطائف نیز اصول و دقائق بیان کیے ہیں۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے۔
 رباعی: ط

طلب عاشقان خوش رفتار
 طرب اے مطربان شیریں کار
 (اے شیریں کلام مطربو! خوش رفتار عاشقوں کی آرزو نشاط ہی نشاط ہے)
 تاکے از خانہ ہیں وہ صحرا
 تاکے از کعبہ ہیں درخمار

(خبردار! گھر سے ویرانے کی دوڑ کب تک رہے گی؟ کب تک کعبہ سے شراب پلانے والے کے دروازے کے چکر

ط رباعی میں چار مصرعے (دو شعر) خاص وزن اور بحر کے ہوتے ہیں۔ یہ چار شعر ہیں اور رباعی کے معروف وزن و بحر میں بھی نہیں ہیں، اس کے باوجود ان کا عنوان رباعی دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔



لگیں گے۔)

در جہاں شاہدے وما فارغ
در قدح جرعهٴ وما ہشیار

(معشوق دنیا میں ہے اور ہم فرصت سے بیٹھے ہیں۔ ساغر میں شراب ہے اور ہم ہوشیار ہیں)

زیں سپس دستِ ماو دامن دوست
زیں سپس گوشِ ماو حلقہٴ یار

(اس کے بعد ہمارا ہاتھ اور دوست کا دامن ہوگا پھر اس کے بعد ہم دوست کے حلقہٴ گوش ہوں گے)

حدیقۃ الحقیقت کے علاوہ آپ کی تین تصانیف حدیقہ کے وزن پر ہیں اور تین دوسری مختصر مثنویاں ہیں۔ مثنوی:

اے بہ پرواز بر پریدہ بلند
خویشتن را رہا شمرده زبند

(اے مخاطب! تم بہت اونچی اڑان اڑ رہے ہو اور اس گمان میں ہو کہ قید سے رہا ہو گئے ہو)

باز بر سوے لا بجز بجز
دشنہ درد ست و صور تست ہنوز

(جایز ناجایز کے فتوے صادر کرنے میں مشغول ہو گئے ہو۔ ہاتھ میں خنجر ہے اور ہیبت بھی ویسی ہی بنا رکھی ہے)

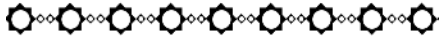
تا تو در بند حبسِ تالیفی
تخیۃٴ نقشِ کلکِ تکلیفی

(آخر کب تک تالیفات کے قید خانے میں بند رہو گے اور کب تک حروف چکانے والے قلم سے مشق کرتے رہو گے)

مثنوی حدیقہ کے اختتام کا سال پانچ سو پچیس ہجری ہے۔

شیخ فرید الدین عطارؒ

آپ شیخ مجد الدین بغدادی کے مرید تھے۔ آپ نے کتاب ”تذکرۃ الاولیاء“ کے دیباچے میں جو آپ سے منسوب ہے، تحریر کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں شیخ مجد الدین بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا خیریت تو ہے۔ فرمایا، مبارک ہیں وہ سپہ سالار جو اس امت میں پیدا ہوئے ہیں۔ رسول ﷺ نے فرمایا ہے، علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے عالم بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں) پس میں اس لیے رو رہا ہوں کہ گزشتہ کل میں نے دعا کی تھی کہ خدایا تیرا کوئی کام بے سبب نہیں ہے، مجھے بھی اُس جماعت کے افراد میں شامل فرمایا اُن لوگوں



میں داخل فرما جنہوں نے اُن بزرگوں کو دیکھا ہے، مجھ میں ان کے علاوہ کسی دوسری جماعت میں شامل کیے جانے کی طاقت نہیں ہے۔ بس میں اسی وجہ سے رو رہا ہوں کہ میری دعا قبول ہوئی ہے یا نہیں۔

(یہ بھی) بیان کیا گیا ہے کہ آپ اویسی تھے اور آپ کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ ایک روز آپ اپنی عطاری کی دکان پر لین دین میں مصروف تھے۔ اس اثنا میں ایک درویش آیا اور اس نے چند بار ”اللہ کے لیے کچھ دو بابا“ کی صدا لگائی۔ آپ نے کوئی توجہ نہ دی۔ درویش نے کہا، اے خواجہ تم جان کیسے دو گے؟ آپ نے فرمایا جیسے تم جان دو گے۔ درویش نے کہا تم میری طرح جان دے سکو گے؟ آپ نے جواب دیا ہاں تمہاری طرح۔ درویش نے اپنا لکڑی کا پیالہ سر کے نیچے رکھا اور لیٹ گیا۔ اس کی جان نکل چکی تھی۔ آپ کا حال متغیر ہو گیا۔ دکان لٹا کر گروہ صوفیہ میں شامل ہو گئے۔

منقول ہے کہ حضرت مولوی بڑھاپے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں اپنی کتاب ”اسرار نامہ“ عنایت کی۔ مولانا رومی ہمیشہ اس کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور اس کے مطابق شعر بھی کہتے تھے۔

گرد عطار گشت مولانا

شربت از دست شمس نوش نمود

(مولانا جناب عطار کے گرد پھرے اور شربت شمس تبریزی کے ہاتھ سے پیا)

ایک اور مقام پر کہا ہے، بیت:

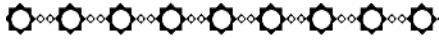
عطار روح بود سنائی دو چشم ما

ما از پے سنائی و عطار آدمیم

(عطار ہماری روح اور سنائی دونوں آنکھ تھے، ہم سنائی اور عطار کے پیچھے آئے ہیں)

جس قدر توحید کے اسرار اور حقائق کی وجدانی کیفیات آپ نے اپنی مثنویوں اور غزلوں میں بیان کی ہیں اس قدر مقولات اس گروہ کے کسی بزرگ کے ہاں نہیں پائے جاتے۔

حضرت قدوة الکبر فرماتے تھے کہ متقدمین کی کتابیں اور کالمین کے ملفوظات اس قدر موثر نہیں ہیں جس قدر خواجہ عطار کا کلام موثر ہے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ فقیر کو ”منطق الطیر“ سے صوفیہ کی نسبت جذبہ اور کیفیت سلوک حاصل ہوئی اور کبھی یوں ہوا کہ اس گروہ کے مشکل الفاظ اور پیچیدہ اسرار جو کسی طرح حل نہیں ہوتے تھے تو میں نے اس کتاب سے رجوع کیا۔ کبھی کتاب ہاتھ میں لینے سے پہلے مقامات حل ہو گئے۔ کبھی مطالعے کے وقت متقدمین اور دیگر چند اصحاب کی تصانیف پڑھنے کا شوق اور میلان پیدا ہوا۔ سب سے پہلے حضرت خواجہ نظامی قدس اللہ سرہ کا خمسہ، اس کے بارے میں فرماتے تھے کہ خبردار خبردار خواجہ کے کلام کو افسانہ خیال نہ کریں۔ حضرت شیخ فرید عطار کی تصنیفات، حضرت شیخ شرف منیری کے مکتوبات، شیخ سعدی شیرازی کے کلام، عین القضاة ہمدانی کی تصنیفات سے متعلق بہت اچھا اعتقاد رکھتے تھے۔ شیخ اکبر اور ان



کے متبعین کی تصنیفات پڑھنے کی بہت رغبت دلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ شیخ اکبر کی کتابیں پڑھنے کے لیے بہت زیادہ قابلیت اور قوتِ علمی کی ضرورت ہے تاہم برحسب عقیدہ فاندے سے خالی نہ رہیں گے۔ حضرت شیخ حسین مغزلی کے رسائل کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ شاہ باز تو حید ہیں اگرچہ ابتدائی حال کے حامل تھے۔

حضرت قدوة اکبرؒ فرماتے تھے کہ حضرت مخدوم زادہ شیخ نور نور اللہ قلبہ، فرماتے تھے کہ سالک کے لیے منطق الطیر کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نفع بخش اور سود مند نہیں ہے بشرطیکہ زبانِ مشرب رکھتا ہو اور صوفیہ کے احوال اس پر نازل ہوئے ہوں۔ بیت:

توئی معنی و بیرون تو اسم است
توئی گنج و ہمہ عالم طلسم است

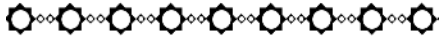
(تیری ذات حقیقت ہے اور اسم تیری ذات سے خارج ہے۔ خزانہ تو ہی ہے باقی تمام عالم طلسم ہے) حضرت شیخ عطارؒ نے سنہ چھ سو ستائیس ہجری میں کافروں کے ہاتھ سے شہادت پائی اس وقت آپ کی عمر ایک سو چودہ سال تھی۔ آپ کا مزار نیشاپور میں ہے۔

شیخ شرف الدین مصلح بن عبداللہ سعدی شیرازیؒ

سعدی شیرازی گروہ صوفیہ کے فاضلوں میں سے تھے۔ آپ شیخ عبداللہ خفیف^ط قدس اللہ سرہ کی درگاہ شریف کے مجاور تھے۔ دینی علوم سے کامل طور پر بہرہ مند اور آداب سے پوری طرح واقف تھے۔ بہت سفر کیے اور ملکوں کی سیاحت کی۔ کئی بار پایادہ حج ادا کیے۔ ہندوستان کے سفر میں سومنات کے مندر تک پہنچے اور بت کو توڑا۔

آپ نے بہت سے مشائخ کبار سے ملاقات کی۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دورانِ سفر بیت المقدس پہنچے وہاں تقریباً چالیس سال تک لوگوں کو پانی پلانے کی خدمت انجام دی۔ ایک روز جبکہ اس خدمت کا ابتدائی زمانہ تھا، آپ دریائے دجلہ پر آئے۔ پیاسوں کے لیے مشک پانی سے پُر کر کے چلنے لگے۔ اچانک ایک شخص نمودار ہوا اور آپ سے پانی طلب کیا۔ آپ نے کہا کہ میاں تم دریائے دجلہ پر کھڑے ہو، خود ہی پانی پی لو۔ یہ پانی میں پیاسوں کے لیے لے جا رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ میں تو تمہارے پاس اس لیے آیا تھا کہ تمہیں وصال کا آبِ حیات پلاؤں۔ اب جبکہ تم نے قبول نہیں کیا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ شخص نظروں سے غائب ہو گیا۔ اس کے بعد آپ جس کسی کو پانی دیتے تو یہ کہتے، اے خضر پانی پیو۔ چالیس سال یہی کہتے ہوئے گزار دیئے کہ اے خضر پانی لو پانی پیو۔ چالیس سال کے بعد وہی شخص پھر نمودار ہوا اور شیخؒ کو (روحانی) ذوق کا آبِ حیات عنایت کیا۔ بعد ازاں آپ شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردیؒ) کی خدمت میں پہنچے

^ط مطبوعہ نئے میں عبداللہ خفیف نقل کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ آپ کا نام ابو عبداللہ محمد بن خفیف اسکفشار نبی شیرازی تھا۔ ۳۹۱ ہجری میں وفات پائی۔



اور اُن سے استفادہ کیا۔ حجاز کے ایک سفر میں اپنے شیخ کے ہمراہ رہے۔ آپ کے جس شعر پر ندائے غیبی آتی اسے کتاب اشعار میں نقل کرتے۔ آپ نے سنہ چھ سو اکیانوے ہجری کے ماہ شوال کے نصف آخر میں کسی جمعے کو وفات پائی۔

شیخ فخر الدین ابراہیم المعروف بہ عراقیؒ

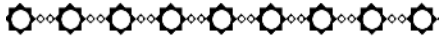
شیخ فخر الدین عراقی کتاب ”لمعات“ کے مصنف ہیں۔ آپ کے اشعار کا دیوان مشہور ہے۔ آپ ہمدان کے نواحی علاقے میں پیدا ہوئے۔ کم عمری میں قرآن پاک حفظ کیا اور بے حد خوش الحانی سے تلاوت کرتے تھے، اسی بنا پر اہل ہمدان آپ کی خوش الحانی کے گرویدہ تھے۔ قرآن حفظ کرنے کے بعد آپ علوم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے اور سترہ سال کی عمر میں اس علاقے کے مدارس میں مشہور ہو گئے۔

ایک مرتبہ قلندروں کی ایک جماعت ہمدان میں وارد ہوئی۔ ان میں ایک صاحب جمال لڑکا بھی شامل تھا۔ عراقی جن پر مشربِ عشق غالب تھا، اسے دیکھتے ہی سوجان سے اس کے عاشق و طالب ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد قلندر ہندوستان کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ آپ نے چند روز تو اپنے آپ کو سنبھالا، لیکن جب محبوب کی جدائی کا احساس حد سے بڑھ گیا تو ہندوستان روانہ ہو گئے۔ قلندر راستے ہی میں مل گئے۔ آپ نے ان ہی کے رنگ ڈھنگ اختیار کر لیے اور ان کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ جب قلندروں کی جماعت ملتان پہنچی تو شیخ بہاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوئی، پھر جب ملتان سے روانہ ہونے لگی تو آپ کے دل میں شیخ کی صحبت میں رہنے کی آرزو پیدا ہوئی، ادھر شیخ نے بھی تصرف فرمایا۔ آپ نے شیخؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شیخ نے آپ کو خلوت میں بٹھا دیا۔ ابھی اس چلے کے دو ہفتے گزرے تھے کہ آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور نسبتِ قوی ظاہر ہوئی۔ اسی عالم وجد میں یہ غزل وارد ہوئی۔ بیت:

نخستین بادہ کا ندر جام کردند
ز چشم مست ساقی وام کردند

(پہلے پہل جب (عشق کی) شراب (دل کے) پیمانے میں ڈالی تو ساقی کی چشم مست سے اُدھار لے کر ڈالی)

آپ یہ غزل خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز سے پڑھتے اور روتے تھے۔ جب اہل خانقاہ نے اس طرح غزل گاتے ہوئے سنا تو ازراہ مخالفت یہ بات شیخؒ کے سمع مبارک تک پہنچائی کہ عراقی اس سلسلے کے مشرب کے خلاف غزل پڑھتے ہیں اور نعرے لگاتے ہیں حالانکہ سہروردیوں کے مشرب میں سوائے ذکر جبری اور تلاوت قرآن کے دوسری باتوں کی اجازت نہیں ہے۔ شیخؒ نے فرمایا، یہ بات تمہارے لیے منع ہے لیکن عراقی کے لیے منع نہیں ہے۔ چند روز اسی طرح گزر گئے کہ ایک روز اہل خانقاہ میں سے کسی شخص کا گزر شراب خانے کے سامنے سے ہوا۔ اس نے دیکھا کہ شراب پینے والے مستی کے عالم میں یہ غزل چنگ و چغانہ کے ساتھ گارہے ہیں۔ وہ شخص شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورت حال سے آگاہ کیا کہ شیخ حاکم ہیں۔ شیخؒ (سجادے سے) اٹھے اور خلوت کی جگہ تشریف لائے اور فرمایا، عراقی تم کیا پڑھ رہے ہو مجھے سناؤ۔ عراقی نے



غزل پڑھنی شروع کی آخر میں یہ مقطع سنایا۔ بیت:

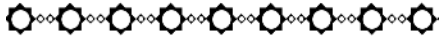
چو خود کر دند از خویشن فاش
عراقی راجرا بدنام کردند

(جب اپنا راز خود ہی آشکار کر دیا تو عراقی کو کیوں بدنام کیا)

شیخ نے فرمایا، اٹھو! تمہارا کام پورا ہو گیا۔ تم سے خانے میں مناجات کرتے ہو، خلوت سے باہر نکلو۔ آپ حسب الحکم باہر آئے اور شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شیخ نے اپنے دست مبارک سے آپ کا سر خاک سے اٹھایا، خلوت منسوخ کر دی اور اپنے جسم مبارک سے خرقہ اتار کر آپ کو پہنایا۔ بعد ازاں اپنی صاحب زادی کو آپ کے نکاح میں دیا جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ان کا لقب کبیر الدین تھا۔ آپ پچیس سال شیخ کی خدمت میں رہے جب شیخ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے آپ کو بلایا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا اور رحمت حق کے جوار میں تشریف لے گئے۔ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت چون کہ شیخ کی توجہ آپ پر زیادہ تھی اس لیے ان میں سے بعض آپ سے حسد کرنے لگے اور بادشاہ وقت تک یہ شکایت پہنچائی کہ آپ کا زیادہ تر وقت شعر خوانی اور صاحب جمال نوخیز لڑکوں کی صحبت میں گزرتا ہے بنا بریں آپ حسب سابق خلافت شیخ کے مستحق نہیں ہیں۔ جب مولانا عراقی کو اس شکایت کی خبر ہوئی تو آپ تمام امور سے دست کش ہو گئے اور حرمین شریفین کی زیارت کے لیے چلے گئے، اللہ تعالیٰ ان دونوں مقامات کا شرف بڑھائے۔ کعبہ شریف کی زیارت کے بعد آپ روم تشریف لے گئے اور وہاں شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت میں ان سے تربیت حاصل کی۔ یہاں ایک جماعت نصوص الحکم پڑھتی تھی، ان سے نصوص سنتے تھے۔ نصوص الحکم کے درس کے زمانے میں آپ نے اپنی کتاب ”لمعات“ تحریر کی۔ جب کتاب ختم کی تو اسے شیخ صدر الدین قونوی کے ملاحظے کے لیے پیش کی۔ شیخ صدر الدین قونوی نے کتاب پسند کی اور بے حد تحسین فرمائی۔

معین الدین^۱ پروانہ آپ کے معتقدوں میں سے تھے۔ ایک روز وہ میدان کی طرف جانکے، دیکھا کہ آپ چوگان ہاتھ میں لیے نوجوانوں کے درمیان کھڑے ہیں۔ امیر معین الدین نے عرض کیا کہ حضرت ہم کس فریق کی طرف ہوں۔ آپ نے فرمایا اس طرف اور ہاتھ سے ایک راستے کی جانب اشارہ کیا۔ امیر اسی طرف روانہ ہو گئے۔ جب امیر نے وفات پائی تو آپ روم سے مصر تشریف لے گئے۔ وہاں کے بزرگ استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے اور آپ کو عزت کے ساتھ شہر میں لے گئے۔ سلطان مصر کو بھی آپ سے کئی اعتقاد پیدا ہو گیا اور آپ کو مصر کا شیخ الشیوخ مقرر کر دیا لیکن آپ اسی طرح بے تکلف بازاروں میں پھرتے اور رقص کرتے تھے۔

^۱ مطبوعہ نسخہ ص ۳۶۵۔ ”معین الدین برادیہ“ تحریر کیا گیا ہے۔ یہ ”معین الدین پروانہ“ ہیں، ملاحظہ فرمائیں ”تاریخ تصوف در اسلام“ مصنفہ ڈاکٹر قاسم غنی، تہران چاپ دوم ۱۳۴۰ ش، ص ۵۰۰ حاشیہ ۲۔



ایک روز آپ کفش گروں کے بازار سے گزرے، وہاں ایک کفش گر کے لڑکے پر آپ کی نظر پڑی۔ آپ اس کے شیفٹے ہو گئے۔ کفش گر کو سلام کیا اور دریافت کیا کہ یہ کس کا فرزند ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ آپ نے اس لڑکے کے ہونٹوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ افسوس ایسے لب و دندان گدھے کی کھال میں ملوث ہوں۔ کفش گر نے عرض کی شیخ ہم فقیر لوگ ہیں، ہمارا یہی پیشہ ہے۔ اگر دانتوں سے گدھے کی کھال نہ پڑیں تو روٹی کہاں سے حاصل کریں گے۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ ہر روز کتنا کام کرتا ہے اور اسے اس کام کی کتنی اجرت ملتی ہے۔ اس نے کہا ہر روز چار درم کماتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کو ہر روز آٹھ درم دوں گا، آئندہ یہ ہرگز ایسا کام نہ کرے۔ آپ ہر روز وہاں جاتے اور اپنے اصحاب کے ساتھ کفش گر کی دکان پر بیٹھتے اور سب طرف سے توجہ ہٹا کر لڑکے کو دیکھتے رہتے۔ اشعار پڑھتے اور روتے رہتے۔ دشمنوں نے یہ خبر سلطان کو پہنچائی۔ سلطان نے دریافت کیا کہ شیخ اس لڑکے کو اپنے گھر لے جاتے ہیں یا نہیں انہوں نے جواب دیا نہیں لے جاتے۔ پھر دریافت کیا کہ لڑکے کے ساتھ دکان میں خلوت کرتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے کہا خلوت نہیں کرتے۔ سلطان نے دوات اور قلم طلب کیے اور کاغذ پر تحریر کیا کہ شیخ فخر الدین عراقی کو روزانہ جو وظیفہ دیتے ہیں اس پر پانچ دینار کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے دن جب شیخ عراقی اور سلطان کی ملاقات ہوئی تو سلطان نے کہا، افسوس ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ کفش گر کی دکان پر اس کا لڑکا آپ کے منظور نظر ہوا ہے اور آپ نے ایک حقیر رقم اس کے اخراجات کے لیے مقرر کر دی ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو لڑکے کو خانقاہ بھیج دیا جائے۔ آپ نے فرمایا، ہمیں اس کا مفاد مطلوب ہے ہم کسی طرح حکم دینا پسند نہیں کرتے۔

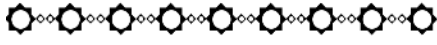
کچھ عرصے بعد آپ مصر سے شام چلے گئے۔ سلطان مصر نے شام کے ملک الامرا کو لکھا کہ وہ تمام مشائخ اور علمائے کبار کے ساتھ شیخ فخر الدین عراقی کا استقبال کرے۔ ملک الامرا کا ایک فرزند صاحب جمال تھا جو ہی آپ کی نظر اس پر پڑی بے اختیار اپنا سر اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ لڑکے نے بھی اپنا سر شیخ کے قدموں میں ڈال دیا۔ ملک الامرا آپ کو لے گیا اور بیٹے کے ساتھ موافقت کی۔

دشمن والوں کے دل میں آپ کی مخالفت پیدا ہوئی لیکن وہ اس کے اظہار کی جرات نہ کر سکے۔ شیخ مستقل طور پر دمشق میں قیام پذیر ہو گئے۔ چھ ماہ بعد آپ کے فرزند کبیر الدین بھی ملتان سے آپ کے پاس آ گئے اور ایک عرصہ والد کی خدمت میں بسر کیا۔ بعد ازاں شیخ بیمار ہو گئے۔ ایک روز بیٹے کو طلب کیا اور وصیت فرما کر رخصت کیا، قطعہ: ط

در سابقہ چوں قرار عالم دادند
مانا نکہ نہ بر مراد آدم دادند ط

ط یہ قطعہ نہیں بلکہ ہر اعتبار سے مکمل رباعی ہے۔

ط غالباً اس مصرعے میں سہو کتابت ہے۔ مترجم نے ”مانا نکہ“ کو ”مانا کہ“ قیاس کیا ہے۔



زاں قاعدہ قرار کاں دور افتاد
نے بیش بکس وعدہ و نے کم دادند

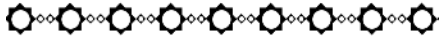
(جب ازل میں عالم کو قائم کیا تو شاید اسے انسان کی مراد کے مطابق نہیں رکھا۔ اس قاعدہ قرار سے جو دور جا پڑا وعدے کے مطابق نہ زیادہ ملتا ہے نہ کم)

۸/ ذی قعد سنہ چھ سو چھیاسی ہجری میں دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ کی قبر صالحہ دمشق میں شیخ محی الدین ابن عربی قدس سترہ، کے مرقد کے عقب میں ہے اور آپ کے فرزند کبیر الدین کی قبر آپ کے پہلو میں ہے، رحمۃ اللہ علیہ۔
امیر حسینیؒ

امیر حسینی رحمۃ اللہ علیہ کا نام حسین بن عالم ابن ابی الحسن تھا۔ آپ کا وطن کز تھا جو غور کے نواح میں واقع ہے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ آپ کی تصنیف ”کنز الرموز“ سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپ بے واسطہ شیخ بہاؤ الدین زکریا کے مرید تھے۔ نیز لوگوں میں یہی مشہور ہے لیکن میں نے بعض کتابوں ایسا دیکھا ہے کہ آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مرید تھے۔ شیخ رکن الدین اپنے والد شیخ صدر الدین کے اور شیخ صدر الدین اپنے والد شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے بعض منظوم ہیں جیسے کنز الرموز اور زاد المسافرین اور بعض نثر میں لکھی ہیں جیسے نزہۃ الارواح، روح الارواح اور صراط المستقیم وغیرہ آپ کا ایک دیوان اشعار ہے جس کے اشعار بے حد لطیف ہیں اور سوالات منظوم بھی آپ کے تصنیف کردہ ہیں جن کے جواب شیخ محمود شبستری نے دیے ہیں اور جو شیخ محمود شبستری کی تصنیف ”گلشن راز“ کی بنیاد بنے ہیں۔

آپ کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ ایک روز آپ شکار کھیلنے کے لیے نکلے۔ ایک ہرن سامنے آیا۔ آپ چاہتے تھے کہ اس پر تیر چھوڑیں۔ ہرن نے آپ کی جانب دیکھا اور کہا، حسینی تم مجھے تیر مار رہے ہو، خدائے تعالیٰ نے تمہیں اپنی بندگی اور معرفت کے لیے پیدا کیا ہے نہ کہ تیر مارنے کے لیے۔ ہرن یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔ آپ کے باطن میں طلب الہی کی آگ بھڑک اٹھی۔ جو کچھ آپ کے پاس تھا اسے راہ خدا میں لٹا دیا اور خود جو القیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ملتان آ گئے۔ شیخ رکن الدین نے اس جماعت کی ضیافت کی۔ جب رات ہو گئی تو انہوں نے حضرت رسالت پناہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، فرما رہے ہیں کہ میرے فرزند کو اس جماعت سے نکال کر کام (سلوک) میں مشغول کرو۔ دوسرے روز شیخ رکن الدین نے جماعت سے دریافت کیا کہ تم لوگوں میں سید کون ہے؟ انہوں نے میر حسینی کی جانب اشارہ کیا۔ شیخ رکن الدین آپ کو ان کے درمیان سے نکال لائے اور آپ کی تربیت کی یہاں تک کہ آپ اعلیٰ مقامات تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد آپ کو خراسان جانے کی اجازت دی۔ آپ ہرات آ گئے، وہاں کے تمام لوگ آپ کے مرید اور معتقد ہو گئے۔

حضرت قدوة الکبر فرماتے تھے کہ ملتان کے بعض لوگوں سے سننے میں آیا کہ شیخ رکن الدین نے بھی اپنی ایک صاحب



زادی میر حسینی کے عقد میں دی تھی جیسے شیخ فخر الدین عراقی کا نکاح شیخ بہاؤ الدین کی صاحب زادی سے ہوا تھا۔ دونوں بزرگوں نے اسی شہر میں اپنی مشہور کتابیں ”لمعات“ اور ”نزہۃ الارواح“ تصنیف کیں۔ دونوں کتابیں شیخ کے ملاحظے کے لیے پیش کی گئیں، شیخ نے فرمایا، لمعات میں خاص کیفیت کار فرما ہے جبکہ نزہۃ الارواح میں نسبت خاص اور نسبت عام دونوں نسبتیں واقع ہیں۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق بہرہ مند ہو سکتا ہے لیکن لمعات دوسری طرح کے لمعوں (روشنی) کی حامل ہے۔ میر حسینی کی وفات ۶/ شوال سنہ سات سو دس ہجری میں ہوئی، ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کا سال وفات چھ سو ننانوے ہجری ہے۔ آپ کی قبر شہر ہرات میں عبداللہ بن جعفر طیار کے مزار کے گنبد سے باہر ہے۔ ط

شیخ اوحدا الدین اصفہانیؒ

شیخ اوحدا الدین اصفہانی سے متعلق سننے میں آیا ہے کہ آپ شیخ اوحدا الدین کرمانی کے اصحاب میں تھے۔ یہ نسبت اس (صحبت) سے ہے۔ آپ کا ایک دیوان اشعار ہے جس میں بے حد لطیف شعر درج ہیں اس دیوان میں جو ترجیعات (نظم کی ایک قسم) ہیں وہ حقائق و معارف پر مشتمل ہیں۔ ایک مثنوی ”جام جم“ ہے جو شیخ سنائی کی حدیقہ کے وزن اور اسلوب میں ہے۔ اس کے اشعار بے حد لطیف ہیں۔ اس مثنوی کے چند ابیات یہ ہیں۔ مثنوی:

اوحدی شصت سال سختی دید

تا شبے روئے نیک سختی دید

(اوحدی نے ساٹھ سال سختی دیکھی تب کہیں جا کر ایک شب نیک سختی کا منہ دیکھا)

سرگفتار ما مجازی نیست

باز گردیدہ کیں بازی نیست

(ہمارے کلام کا خلاصہ مجازی نہیں ہے نہ بے معنی بات اور کھیل کود ہے)

سالہا چوں فلک بسر گشتم

تا فلک وار دیدہ ور گشتم

(سالہا سال آسماں کی طرح سر کے بل پھرتا رہا ہوں تب آسماں کی مانند دیدہ ور ہوا ہوں)

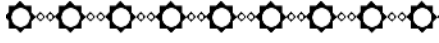
برسر پائے چلہ داشته ام

چونہ از بہر ذلہ داشته ام ط

ط مطبوعہ نئے کے صفحہ ۳۶۷ پر یہ عبارت ہے۔ ”قبروے در مصرخ ہر اتست بیرون گنبد مزار عبداللہ بن جعفر طیار۔ مصرخ کے لغوی معنی فریاد رس ہیں۔

اس عبارت کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔ مترجم کے قیاس میں جملہ یہ ہوگا ”قبروے در مصرخ ہرات است“ اس قیاس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

ط دوسرے مصرعے میں ابہام ہے۔



(میں نے سر کے بل چلہ کیا ہے میں نے ذلت کے لیے ایسا نہیں کیا)

در دروں خلوتِ تسیت با یارم

وزبروں درمیان بازارم

(باطن میں مجھے دوست کے ساتھ خلوت نصیب ہے، خارج میں میں بازار کے درمیان ہوں)

کس نہ بیند جمالِ خلوتِ من

رہ ندارد کسے خلوتِ من

(میری خلوت کا جمال کوئی نہیں دیکھتا، میری خلوت گاہ میں کسی کا گزر نہیں ہے)

تادلِ من بدوست پیوستست

سوزہا گرد سرمن شست

آپ نے حکیم سنائی کے قصیدہ رائیہ کے جواب میں بہت اچھا قصیدہ کہا ہے۔ اس قصیدے کے اشعار کی تعداد ایک سو اسی ہوگی۔ اس کا مطلع یہ ہے، ابیات:

سر پیوند من ندارد یار

چوں تو اں شدز بخت برخوردار

(دوست ہماری محبت سے بے تعلق ہے تو ہم کس طرح نصیب سے حصہ پاسکتے ہیں)

کاربا مایکست در ہمہ شہر

و آن یکے تن نمی دہد درکار

(سارے شہر میں ہمارا سر و کار ایک ہستی سے ہے اور وہی ایک ہستی ہم سے تغافل اختیار کیے ہوئے ہے)

ہمدے نیست باکہ گویم راز

محرے نیست تابنالم زار

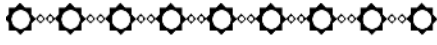
(میرا کوئی ہمد نہیں ہے جس سے راز دل بیان کروں، میرا کوئی محرم نہیں ہے کب تک تنہا زار زار روتا رہوں)

آپ کی قبر تبریز کے سبزہ زار میں ہے جس پر تاریخ و فوات تحریر ہے اور وہ سنہ سات سو اڑتیس ہجری ہے۔

افضل الدین خاتانی

افضل الدین خاتانی اگرچہ فلکی کے شاگرد تھے (لیکن) شاعری کے میدان میں کامل شہرت حاصل کی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی ذات میں شعر گوئی کے اطوار سے ماورا کوئی اور طور بھی ودیعت کیا گیا تھا جس کے مقابلے میں شعر کی حیثیت

ط دوسرا مصرع وزن سے گر گیا ہے اور مہمل بھی ہے۔ ترجمہ ممکن نہیں ہے۔



کم تر رہتی ہے، جیسا کہ خود فرماتے ہیں، بیت:

شعر چہ باشد برمن تاکہ ز نم لاف او ط
ہست مرا فن دگر غیر فنون شعراؤ
(شعر ایسا پھل نہیں ہے جس کے لیے شیخی ماروں۔ میرا فن دوسرا ہے جو فنون شعر سے مختلف ہے)
آپ کا کلام اس مشاہدے پر مبنی ہے، قطعہ:

صورت من ہمہ او شدہ صفت من ہمہ او ط
لاجرم کس من و من کس نشود اندر خنم
(میری صورت تمام تر اس کی صورت اور میری صفت تمام تر اس کی صفت ہوگئی ہے)

ز نم ہیچ درے تاکہ گویند آں کیست
چوں گویند مرا باید گفتن کہ منم ط

(میں کسی ایسے دروازے پر دستک نہیں دیتا جو مجھے نہیں پہچانتے۔ جب عزت سے پیش آئیں تو کہنا چاہیے کہ میں ہوں)۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ قطعہ:

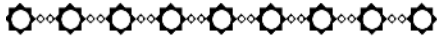
عشق نمی فشرد پای بر نمط کبریا ط
برد بدست بخت ہستی مارا
ماو شمار اینفتد بیجود سراست
زانکہ نہ گنجد رو زحمت ما و شتا

آپ کا بہت سا کلام اسی نوعیت کا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو صوفیہ کے پاک مشرب سے شرب کھلی حاصل تھا۔ آپ اکتسبی نور اللہ کے عہد خلافت میں تھے۔ آپ نے عربی قصیدے میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن ایک دوسرے مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ لوشیر کے والی، شروانشاہ اور منوچہر آپ کے مدوح تھے۔ شروانشاہ نے جسے خاقان بھی کہتے تھے آپ کی تربیت کی تھی۔ وہ قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ شروانشاہ اور فضلا کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ شروانشاہ نے کہا کہ شعرا حضرات بادشاہوں کی مصاحبت میں خوش طبع ہو جاتے ہیں اور شعر کی قابلیت پیدا کرتے ہیں اور فضلا کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا

ط پہلا مصرع بے وزن نقل کیا گیا ہے نیز دوسرے مصرعے میں مطلب خبط ہو گیا ہے۔ مترجم نے قیاسی ترجمہ کیا ہے۔

ط پہلا مصرع وزن سے گر گیا ہے۔

ط اس قطعے میں سوائے پہلے مصرعے کے تمام مصرعے سہو کتابت کے باعث بے وزن اور مہمل ہو گئے ہیں۔ اسے بے ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔



ہے۔ آخر میں یہ بات طے ہوئی کہ ایک لڑکے کی تربیت کی جائے۔ شروانشاہ نے ایک بڑھی کے لڑکے کو حاصل کیا اور اس کی تربیت کی جانب متوجہ ہو گیا۔ پہلے اسے تعلیم کے لیے بٹھایا جب لیاقت پیدا ہو گئی تو اس سے کہا کہ کبھی کبھی شعر بھی کہو، اور اس کے معلم کو بھی ہدایت کی کہ لڑکے کو شعر کہنے کی تعلیم اور ایات نظم کرنے کو ترغیب دیا کرو۔

(ایک روز) جب وہ لڑکا خاقان کی ملازمت سے مکتب خانے جا رہا تھا تو اس نے راستے میں ایک اونٹ دیکھا جس نے روئی کے کھیت کی طرف منہ کر رکھا تھا۔ لڑکے کے دل میں آیا کہ میں یہ شعر کہوں، بیت:

اے اشتراکز گردنا دانم چہ خواہی گردنا
گردن دراز کردہ پنہ بخواہی چردناط

(اے کج گردن اونٹ میں جانتا ہوں تو کیا کرنا چاہتا ہے۔ گردن لمبی کر کے روئی چرنا چاہتا ہے)

لڑکا جب دوسرے روز خاقان کی خدمت میں آیا تو یہ شعر کاغذ پر لکھ کر لایا۔ بادشاہ نے یہ شعر پڑھا تو اسے ہنسی آگئی۔ فرمایا ایسا نہ ہو کہ اہل فضل یہ کاغذ دیکھ لیں۔ پھر اسے اپنی خواب گاہ کی چھت کی لکڑی میں ٹھونس دیا اور لڑکے کو ہر روز (شعر کہنے کی) ترغیب دیتا رہا۔

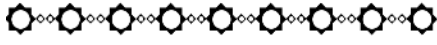
(اس کے بعد) ایسا اتفاق ہوا کہ ارکان دولت نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ بادشاہ ہلاک کر دیا جائے۔ تجویز یہ قرار پائی کہ جراح کو ہمت دلائی جائے اور اسے بہت ساز و مال دیا جائے کہ جب وہ تہائی میں خط بنانے جائے تو اپنا کام پورا کر دے (بادشاہ کا سر کاٹ دے)۔ جراح نے اس تجویز کو قبول کر لیا، چنانچہ فرصت کے وقت اسی خلوت خانے میں جس میں کاغذ اڑسا ہوا تھا داخل ہوا۔ جراح کو سر کاٹنا میسر نہ ہوا۔ اس نے سوچا کہ ٹھوڑی کے نیچے بال تراشتے ہوئے سر کاٹ دیا جائے۔ جب بادشاہ کا سر بلند ہوا اور اس کاغذ پر نظر پڑی تو بے ساختہ پڑھا۔ مصرع:

اے اشتراکز گردنا دانم چہ خواہی گردنا

(اے کج گردن اونٹ میں جانتا ہوں کہ تو کیا کرنا چاہتا ہے)

جراح کے ہاتھ پیر کانپنے لگے اور وہ بادشاہ سے معذرت کرنے لگا اور سارا راز اگل دیا کہ بادشاہ میں بے قصور ہوں، آپ کے وزیروں نے آپ کے مارنے کی سازش کی تھی۔ بادشاہ عجیب حیرت میں مبتلا ہوا پھر جب اس سے استفسار کیا تو جراح نے تمام قضیہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے اس شعر کو بابرکت خیال کیا کہ اس کے سبب ہماری جان بچی۔ اس نے لڑکے کو طلب کیا اور اپنے لقب خاقان کی نسبت سے اسے خاقانی کا لقب عطا کیا۔ خاقان ہی کی تربیت سے خاقانی اس مرتبے کو پہنچے کہ منتقدین فضلا کے پیشوا قرار دیے گئے۔ آپ کے والد چونکہ بڑھی تھے اسی نسبت سے آپ نے یہ شعر تخلیق کیا۔

بیت:



نوح نہ بس علم داشت گر پدر من بدے
قنطرہ بیستے زچوب برسر طوفان او

(حضرت نوح کا علم کافی نہ تھا اگر وہ میرے باپ ہوتے تو لکڑی سے طوفان کے اوپر پل کھڑا کر دیتے)

جہاں خاقانی کی حد کمال ختم ہوتی ہے حضرت نظامی قدس سرہ، کی ابتدا ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے تھوڑی سی نوک جھونک بھی ہوئی تھی آپ نے حکیم سنائی کے قصیدہ رائیہ کا جواب بھی لکھا تھا۔ اس کے اشعار کی تعداد ایک سو اسی ہے اور اس میں تین مطلعے ہیں۔ ابیات:

الصبح الصبح کا مدار

النہار النہار کا مدار

(صبحیں ہیں کہ کامیاب ہیں، دن ہیں کہ کامیاب ہیں)

کارے از روشنی چو آب خزاں

یارے از خوش دلی چو باغ بہار

(روشنی سے کام خزاں کے پانی کی مانند چمک دار ہے۔ دوست خوش دلی سے باغ بہار ہے)

خیز بے گاہ تا بوقت صبح

می کند لعبتان ز دیدہ نثار

(نیند سے بے وقت اٹھ جا کہ صبح کے وقت بت اپنا دیدار نثار کرتے ہیں)

قصیدے کے آخر میں کہتے ہیں، ابیات:

ایں قصیدہ ز جمع سبعیات

ثامن است از غرایب اشعار

یہ قصیدہ تمام ساتوں قصائد سے بڑھ کر آٹھواں ہے جس کے اشعار عجائبات و غرائب سے بھرپور ہیں۔

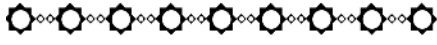
از در کعبہ گدر آویزند

کعبہ بر من فشانندے استار

(اگر اس قصیدے کو کعبے کے دروازے پر لٹکائیں تو کعبہ مجھ پر غلاف نثار کرے)

زد قفا سنگ راقفائے سنگ

وامر اور ایقین کند انکار



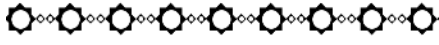
(ہر حادثے کے پیچھے ایک حادثہ ہے جو اسے دبوچتا ہے لیکن انکار کرنے والا اپنی بات پر یقین کرتا ہے)
آپ کی وفات سنہ پانچ سو پچانوے میں ہوئی۔

حضرت نظامی گنجویؒ

آپ ظاہری اور باطنی علوم نیز رسمی اصطلاحات سے کئی طور پر بہرہ مند تھے لیکن اپنے علوم کا اظہار نہ کرتے تھے۔ گنجہ کے ایک بزرگ نے نقل کیا ہے کہ آپ عجیب و غریب علوم مثلاً کیمیا اور سیمیا سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ سیمیا (طلسم سازی) کا تعلق اس عالم سے ہے جس میں ہوش و خرد معطل ہو جاتے ہیں۔ یہ علم بھی آپ سے منسوب تھا ایک بادشاہ نے آپ کو مدعو کیا کہ تشریف لائیں۔ شیخ نے اپنے قدم قناعت اور گوشہ گیری کے دامن سے کھینچ لیے تھے بادشاہ کے حکم پر کوئی توجہ نہ دی۔ بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے اگر شیخ ہمارے ہاں نہیں آتے تو ہم ملاقات کے لیے جائیں گے۔ بادشاہ اپنے ارکان دولت اور امیروں نوابوں کے ساتھ سوار ہوا اور شیخ کے مکان کی طرف چلا۔ جب آپ کے حجرے کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ سنہری سراپردہ، نقرئی شاہی خیمہ اور طرح طرح کے دوسرے خیمے کھڑے کیے گئے ہیں۔ بہت بڑا لشکر سراپردے کے گرد جمع ہے۔ بادشاہ آگے بڑھا تو سب تعظیم کے لیے آئے۔ صرف سراپردے سے اندر جانے کا راستہ خالی رکھا۔ باقی ارکان دولت باہر رہے اور اپنے آپ کو بھول گئے۔ جب بادشاہ کو اندر لے گئے تو اس نے دیکھا کہ شیخ سنہری کرسی اور جڑاؤ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مختلف قسم کے لباس فاخرہ میں ملبوس بہت سے ہتھیار بند سپاہی آپ کے سامنے کھڑے ہیں (ان کے علاوہ) زرّیں کمر بستہ اور خنجر کشیدہ سپاہی آپ کے گرد کھڑے ہیں۔ بادشاہ اس وہم میں مبتلا ہو گیا کہ کہیں یہ سپاہی مجھے قتل نہ کر دیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ بادشاہ وہم میں مبتلا ہے تو آپ نے اپنا تصرف برطرف کر دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ شیخ پرانی گدڑی جسم پر ڈالے ویرانے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے تبسم کیا اور فرمایا، دنیاوی جاہ و دولت سہل چیز ہیں اور ان پر ناز کرتے ہیں اور فخر دکھاتے ہیں۔ بادشاہ نے بہت معذرت کی۔

اس طرح کی بہت سی باتیں آپ سے متعلق نقل کی گئی ہیں۔ آپ حکیم پیشہ تھے اور علم کیمیا سے واقف تھے بلکہ سکندر نامے کے جلد ثانی میں اس کے بارے میں اشارہ بھی کیا ہے۔ آپ کی قوت روحانیہ اعلیٰ مرتبے کی ہے۔ کسی شخص نے آپ کے شعر میں دخل نہیں دیا۔ جس کسی نے اس بات کا تھوڑا سا بھی اظہار کیا اس کا سرتن سے جدا ہو گیا۔ آپ کا دوسرا کلام متفرقہ طور پر کتاب میں مذکور ہے۔ کوئی شخص کسی بھی نیت سے آپ کا کلام پڑھتا رہے تو اس کا مقصد برائے گا، جیسا کہ خود فرمایا ہے، بیت:

اگر ناامیدیش گیرد بدست
بدست آورد ہر مرا دے کہ ہست



(اگر نامید شخص اس کلام کو ہاتھ میں لے (پڑھے) تو اس کی جو بھی مراد ہے پوری ہوگی) آپ کی (وفات کی) تاریخ سکندر نامے کے خاتمے میں کہی گئی ہے جو سنہ پانچ سو بیانوے ہجری ہے) حضرت قدوة الکبر فرماتے تھے کہ آپ کی مثنویاں جو ”پنج گنج“ کے نام سے مشہور ہیں، ان میں سے اکثر سلطان کی فرمائش پر لکھی گئی ہیں۔ آپ کا بہت سا کلام ایسا ہے، جس کی نظیر سامنے نہیں آئی۔ لوگوں نے اس کا جواب لکھنے میں بہت کچھ سرکھپایا لیکن کوئی عمدہ برآ نہ ہو سکا البتہ امیر خسروؒ نے کسی قدر کامیابی حاصل کی ہے اور بہت خوب کہا ہے یہ مقام بھی انہیں حضرت سلطان المشائخؒ کی توجہ کی برکت سے حاصل ہوا۔

شیخ کمال خجندی قدس سرہ

شیخ کمال خجندی قدس سرہ، بہت ہی بزرگ ہستی تھے۔ شعر گوئی سے اشتغال رکھتے تھے اور اشعار میں رمز و ایما کا اہتمام کرتے تھے تاکہ ظاہر باطن سے مغلوب نہ ہو جائے اور ظاہر کی رعایت عبودیت کی راہ میں مانع نہ ہو، چنانچہ فرماتے ہیں، بیت:

ایں تکلفہاے اندر شعر من
کلمنی یا حمیراے من است

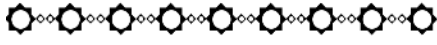
(میرے اشعار میں یہ تکلفات، ”اے حمیرا (عائشہؓ) مجھ سے باتیں کرو“ کی مثل ہیں (یعنی تسکین کے لیے ہیں) آپ ہمیشہ ریاضات و مجاہدات میں مصروف رہے۔ حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ آپ کچھ عرصے ساس میں مقیم رہے۔ حیوانی گوشت نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے کمالات، اشعار اور ان کے معانی سے آشکار ہیں کسی تعریف اور توصیف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ کی وفات ۷۱۰ آٹھ سو تین ہجری میں ہوئی۔ آپ کی قبر تبریز میں ہے اور لوح مزار پر یہ شعر کندہ ہے۔ بیت:

کمال از کعبہ نزد یار رفیق
ہزارت آفریں مردانہ رفیق

(اے کمال تو کعبے سے دوست کے ہاں گیا تجھ پر ہزار بار آفریں ہے کہ کیا مردانہ وار گیا)

۱۔ سہو کتابت کے باعث یہ مصرع وزن سے گر گیا ہے۔ صحیح کلمینی یا حمیرا ہے۔ مصرع ”کلمینی یا حمیراے من است“ ہونا چاہیے۔

۲۔ (مطبوعہ نئے کے صفحہ ۳۶۹ پر یہ عبارت ہے، ”وفات وے در سنہ ثلاث بود“ اس کا ترجمہ یہ ہوگا، ”آپ کی وفات سنہ تین میں ہوئی“ ظاہر ہے کہ یہ سن درست نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نصرت المطالع دہلی نے کاتب صاحب کی کتابت کی تصحیح نہیں کرائی اسی باعث مطبوعہ نئے میں جگہ جگہ اغلاط واقع ہوئی ہیں۔ کمال خجندی کا سال وفات آٹھ سو تین ہجری ہے، ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر قاسم غنی کی تصنیف ”بحث در آثار و افکار و احوال حافظ“ (جلد اول) کا مقدمہ ص ۱۳۶۱ ہجری میں شائع ہوئی ہے مترجم نے اس حوالے کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔)



مولانا محمد شیریں المعروف بہ مغربی قدس سرہ

آپ شیخ اسماعیل سبئی کے مرید تھے جو شیخ نور الدین عبدالرحمن محمد اسفرائینی قدس سرہ کے اصحاب میں سے تھے۔ دریائے مغرب میں اپنی بعض سیاحتوں کے زمانے میں آپ نے شیخ محی الدین ابن عربی کے اصحاب میں سے ایک بزرگ سے خرقہ پہنا اور ان سے حقائق و دقائق کے کشف حاصل کیے۔ آپ کے کمالات آپ کی تصنیفات (سے ظاہر ہیں) جن میں دیوان مصطلح شامل ہے۔ خاص طور پر ”جامِ جہاں نما“ ایسا مجموعہ ہے جس میں کلی طور پر علم تصوف درج ہے۔ حق یہ ہے کہ اسے بے نظیر کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس گروہ میں سے کسی بزرگ نے اس نوعیت کی موجز و مختصر تصنیف جو اصول و فروع اور تصوف کی جامع ہو، تحریر نہیں کی۔ خواجہ کمال بخندی سے آپ کی ملاقات کا موجب وہی مطلع تھا جس کا ذکر لطیفہ سابق میں ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ شیخ اسماعیل سبئی نے آپ کو مینارطہٗ دجلہ پر بٹھا دیا۔ مولانا مغربی وہاں بیٹھ گئے اور ایک غزل کہہ کر شیخ کی خدمت میں پیش کی، بیت:

تا مہر تو دیدیم وز ذرت گذشتیم
از جملہ صفات از پے آں ذات گذشتیم

(جب ہم نے تیرا آفتاب دیکھا تو ذرات سے بے تعلق ہو گئے۔ ذات کے حصول کے لیے صفات سے درگزر یعنی کثرت چھوڑ کر طالب وحدت ہو گئے۔)
شیخ نے غزل پسند کی۔ آپ کی وفات سات سو نو اسی ہجری میں ہوئی۔

شمس الدین محمد بن الحافظ

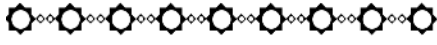
ان کو حضرت قدوۃ الکبریٰ کے ساتھ مصاحبت حاصل رہی ہے۔ انہوں نے بہت بہت پسند کیا چنانچہ اس پسندیدگی سے متعلق چند مقامات پر ان کے اشعار ضبط تحریر میں آئے ہیں۔ فی الحقیقت وہ اویسی تھے اور مجذوب طور پر پھرتے تھے۔ ان کے مسترشد حاجی توام نے جنہیں صدارت کی عنایت سے منصب وزارت حاصل ہوا تھا، ان کے اشعار جمع کیے۔ ان کا کلام اس درجے بلند معانی کا حامل ہے کہ اس گروہ میں سے کسی کو یہ خوبی حاصل نہ ہوئی حتیٰ کہ ان کے کلام کو ”لسان الغیب“ (غیب کی زبان) کہتے ہیں۔ ان کی وفات سنہ سات سو بانوے ہجری میں ہوئی اور دوسری روایت کے مطابق سات سو اٹھانوے ہجری میں ہوئی اور دوسری روایت زیادہ صحیح ہے۔

۱۔ مطبوعہ نسخے میں ”برمادندادجلہ“ نقل کیا گیا ہے، مترجم نے اسے ”برماذند دجلہ“ قیاس کر کے ترجمہ کیا ہے۔

۲۔ مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۹ پر اس شعر پہلا مصرع اسی طرح نقل ہوا ہے۔ مترجم کا قیاس ہے کہ یہ مصرع اس طرح ہوگا۔

تا مہر تو دیدیم ز ذرات گذشتیم

اسی قیاس کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔



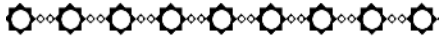
سلطان الشعرا امیر خسرو دہلویؒ

امیر خسرو متقدمین شعر گو حضرات کے پیشوا اور متاخرین کامل اہل فضل کا خلاصہ تھے۔ آپ اسرار صوفیہ کو آشکار کرنے والے بلکہ اس گروہ عالیہ کی تصانیف میں فوقیت کے حامل تھے۔ آپ کے والد ترک لاجپن تھے۔ وہ تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے اور دارالخلافہ دہلی میں، اللہ تعالیٰ اسے آفتوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے، قیام پذیر ہو گئے۔ آپ کے والد کو امیر لاجپن کہتے تھے۔

جب امیر لاجپن کے ہاں (یہ) فرزند پیدا ہوا تو وہ آپ کو فرزانے دیوانوں میں سے ایک بزرگ کی خدمت میں جو بہت شہرت رکھتے تھے لے گئے۔ اُن مجذوب نے فرمایا کہ یہ لڑکا خاقانی اور انوری سے آگے بڑھ جائے گا۔ جب آپ مکتب میں جانے کے قابل ہو گئے تو آپ کی تعلیم کا انتظام کر دیا۔ آپ نے سب علوم میں مہارت پیدا کر لی اور شعر کہنے کا سلیقہ حاصل کر لیا۔ آپ جب کبھی شعر کہتے تو اسے حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرت تحسین فرماتے۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ شعر میں حرف شیریں زبان پیدا کرے گا لیکن اگر تم صفاہانیوں کے طرز پر شعر کہو گے تو وہ کلام مقبول زمانہ ہوگا۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ شعر میں عشق انگیز اور شوق آمیز کیفیات بیان کی جائیں چنانچہ اس روز سے خدوخال اور زلف و گیسو میں الجھ گئے۔ ایک رسالہ شعر اور صنائع سے متعلق حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں پیش کیا جس میں شعر و نظم کے قاعدے اور فائدے تحریر کیے گئے تھے، اس کے بعد حضرتؒ کی منقبت میں قصیدہ کہہ کر نظر مبارک سے گزارا۔ چونکہ پسند فرمائے گئے اس لیے سچی ارادت کا باعث ہوئے۔ انہی ایام میں حضرت سلطان المشائخؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور دوسرا قصیدہ کہہ کر خدمتِ شیخ میں پیش کیا۔ ارشاد ہوا، کیا چاہتے ہو عرض کیا کہ شیرینی کلام چاہتا ہوں۔ (خادم سے) فرمایا، شکر کا طباق لاؤ۔ وہ شکر سے بھرا ہوا طباق لائے اسے آپ کے سر پر ٹاڑ کیا اور تھوڑی سی شکر کھانے کے لیے آپ کو دی۔ اس نے فوراً اپنا اثر دکھایا۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ نے شیخ شرف الدین قلندرؒ سے شیریں خنکی کی درخواست کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ شیریں خنکی تو شیراز کا بچہ لے گیا البتہ نمک چاہیے تو وہ موجود ہے۔ آخر کار نمک کا ایک لکڑا اپنے منہ پر رکھ کر آپ کے منہ میں ڈال دیا۔

حضرت قدو الکبرؒ فرماتے تھے کہ (میرا) احتمال یہ ہے کہ امیر خسروؒ نے ہرکان سے گوہر حاصل کیے شیرینی اور نمکین دونوں آپ کے کلام میں ہیں جو لوگوں کی طبیعت سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نظم و نثر میں جو کتاب ترتیب دی اسے حضرت سلطان المشائخؒ کی نظر مبارک کے شرف سے مشرف کیا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ کتاب امیر خسروؒ کے ہاتھ ہی ہوتی اور سلطان المشائخؒ فاتحہ پڑھتے کبھی چند سطریں ملاحظہ فرماتے اور کسی قدر تحسین فرماتے تاکہ مغرور نہ ہوں اور اسی ایک فن



کے ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ جو فن اس سے بڑھ کر ہے اور جس کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے اسے پیش نظر رکھیں۔ چونکہ حضرت سلطان المشائخ کا آپ پر التفات اس تعلق سے تھا وہ نسبت بھی آپ کو حاصل ہوئی۔ بیت:

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

(وہ اللہ والے) جو ایک نظر میں خاک کو کیمیا بنا دیتے ہیں کاش کبھی اپنے گوشہ چشم سے ہمیں بھی دیکھ لیں)

بہر حال اس کٹھن راستے میں آپ منزل تک پہنچ گئے کہ آپ صوفیہ کے کلام کے محرم اور اس گروہ عالم کے اسرار کے سامع ہو گئے۔ اگرچہ آپ سلاطین کی ملازمت سے وابستہ رہے اور بادشاہوں (کے دربار) کی نوکری کی لیکن سلطان المشائخ کی نظر قبولیت سے بے بہرہ نہیں رہے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے دہلی کے سات بادشاہوں کی ملازمت کی لیکن آپ کی (حقیقی) تربیت غیاث الدین (کے عہد) سے ہوئی۔ باوجود اس قدر درباری مشغولیت کے آپ نے مشائخ کے معین کردہ اور ادو وظائف ترک نہیں کیے۔ کبھی نماز تہجد قضا نہ ہوئی۔ تہجد کے وقت آپ کی تلاوت قرآن سب کے علم میں ہیں۔

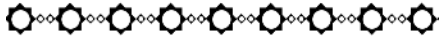
ایک دن سلطان المشائخ نے دریافت فرمایا، ترک تمہاری مشغولیت کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ کبھی کبھی سحر کے وقت گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ فرمایا، الحمد للہ! اثر ظاہر ہونے لگا۔ حضرت سلطان المشائخ کی جس قدر باطنی التفات اور ظاہری الطاف امیر خسرو پر تھیں اس قدر عنایات دوسرے اصحاب پر نہ تھیں، جیسے کہ حضرت نے اپنے ایک رفیقے میں تحریر فرمایا ہے اور جس کی عبارت بعینہ یہ ہے:

”میں سب لوگوں سے تنگ آجاتا ہوں لیکن تم سے تنگ نہیں ہوتا بلکہ خود سے تنگ آجاتا ہوں اور تم سے نہیں ہوتا۔“

یہ مکتوب تمام تر خصوصیت کا مظہر ہے۔ اس سے زیادہ اور کون سا رتبہ ہو سکتا ہے۔ ایک روز شیخ نصیر الدین سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ امیر خسرو شیخ نصیر الدین کے ایلچی بنے اور شیخ سے ان کے حالات عرض کیے۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ میرا تخلص شاہانہ قسم کا ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ مجھے فقیرانہ نام و لقب عطا ہوتا۔ حضرت نے اپنے (باطنی) علم سے رجوع کیا، کچھ دیر بعد سر اٹھایا اور فرمایا، کل قیامت کے روز تمہیں اولیا اور اصفیا کے زمرے میں میرے چاہے ہوئے نام محمد کاسہ لیس سے پکاریں گے۔ امیر خسرو خوش ہو گئے اور شکر بجالائے۔

ایک مرتبہ سلطان المشائخ خوش دلی کی کیفیت میں تھے اور تمام اصحاب اس ذوق کے نور کے پرتو میں بے خود تھے کہ

امیر خسرو کرمانی نے سیر الاولیا میں یہ واقعہ برعکس تحریر کیا ہے، یعنی ایک شب حضرت سلطان المشائخ کے دل میں غیب سے القا ہوا کہ خسرو درویشوں کا نام نہیں ہے تم خسرو کو محمد کاسہ لیس کے نام سے پکارو (فرمودند کہ امشب در سر دعا گو فرو خود اندند کہ خسرو نام درویشاں نیست خسرو ابنا م محمد کاسہ لیس خوانید) ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی لاہور، ۱۹۷۸ء ص ۳۱۳۔ لطائف اشرفی کے مطبوعہ نسخے کے اس صفحے پر (۳۷) آگے بھی عبارتیں خلط ملط ہو گئیں ہیں بہر حال مترجم نے اپنے ترجمے میں مطبوعہ نسخے کی پیروی کی ہے۔



یہ ایک حضرتؑ نے اپنے دریائے بطون میں غوطہ لگایا (مراقبے میں چلے گئے) ایک گھڑی بعد مراقبے سے سر اٹھایا اور بشارت دی کہ ترک اللہ تمہیں بشارت ہو کہ اس وقت ایسے عالم کا مشاہدہ کرایا گیا کہ بیان نہیں کر سکتا۔

بصد ہزار زبان شرح آں یکے زہزار

چہ عالمے کہ ہمہ کائنات دروے نیست ط

(ہزار زبانوں سے اس کے ہزاروں حصے کی شرح نہیں کی جاسکتی۔ ایسا عالم تھا کہ اس میں تمام کائنات شامل نہ تھی)

چہ حاصل ط کہ ہمہ عزو کام دروے خوار

(وہ کچھ حاصل ہوا کہ اس کے مقابلے میں تمام عزتیں اور کامیاں بیچ ہیں)

چہ دیدہ ایم ہمہ دیدگاں از و خیرہ

چشیدہ ایم شرابے کہ نیست دروے خمار

(ہم نے وہ کچھ دیکھا کہ جس کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، ایسی شراب پی ہے جس میں خمار نہیں ہے)

آخر صحبت میں مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا اور کتنا اپنے ساتھ لائے ہو؟ میں نے کہا کہ حصول عرفان، وصول وجدان

اور اپنے اصحاب۔ ان کلمات کا سننا تھا کہ امیر خسرو رقص کرنے لگے اور اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھ دیا۔

زہے نجستہ مقامے کہ گفت حضرت پیر

زروئے لطف و سعادت مرا بشارت داد

(کیا مبارک مقام ہے کہ حضرت شیخ نے ازراہ لطف و سعادت مجھے بشارت دی)

اگرچہ بندہ گنہگار بود و بدکردار

ولے گزیدز لطف خود و سعادت داد

(اگرچہ یہ بندہ خطا کار اور بدکردار تھا لیکن اپنے لطف سے اسے قبول کیا اور سعادت بخش)

مشہور شاعر حسن سجریؒ

حسن سجریؒ ہندوستان کے مشاہیر شعرا میں سے ہیں۔ آپ کو نثر و نظم میں مہارت تامہ حاصل تھی اور دونوں اصناف سے

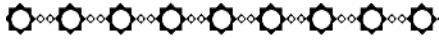
بڑی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے، یہاں تک کہ سب لوگوں نے آپ کی تخلیقات کو پسند کیا۔ آپ نے ردیف و قوافی کو

اس عمدگی سے برتا کہ اکثر شعرا ایسی ترتیب سے عاجز رہے۔ آپ شیخ نظام الدین کے اصحاب کبار میں سے تھے اور ظاہری و

معنوی اسرار کے محرم تھے۔ لطافت و ظرافت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اگرچہ آپ کے بعض اوقات اس زمانے کے

ط مترجم کا قیاس ہے کہ یہاں ”نیست“ کے بجائے ”ہست“ ہونا چاہیے۔

ط اگر ”حاصلے“ نقل کیا جاتا تو مصرع وزن میں ہوتا دوسرا سہو یہ ہے کہ اس کا دوسرا مصرع تحریر کرنا بھول گئے ہیں۔



بادشاہوں کی خدمت اور کچھ اوقات سرداروں کی ندیمی میں بسر ہوتے تھے لیکن ریاضت اور مجاہدے میں بھی مشغول رہتے تھے، چنانچہ شیخ نے اکثر اوقات آپ کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے حسن نے بادشاہوں کی مصاحبت اور ریاضت کے حق کو خوب خوب انجام دیا ہے۔ ہر چند کہ آپ بادشاہوں کے مصاحب تھے اور بادشاہوں کے مصاحب شعرِ اشراب اور مطرب کے رسیا ہوتے ہیں لیکن آپ ان عیوب سے بالکل مبرا تھے۔

خواجہ حسن سے منقول ہے کہ امیر خسرو شاہ وقت کی ملازمت میں ملتان گئے، وہاں سے انہیں حضرت شیخ سعدیؒ کو بلانے کے لیے شیراز بھیجا۔ چونکہ ان کے بعض اشعار شیراز پہنچ چکے تھے، ان اشعار کی مثل پڑھا۔ بیت:

سیہ بادام را ہرگز میفکن در نظر بازی

نگہدازش کہ وقت مرگ برتابو تم اندازی

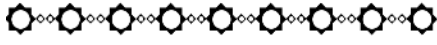
(اے محبوب! اپنی سیاہ آنکھوں کو نظر بازی میں ضائع نہ کر۔ ان کی حفاظت کر کیوں کہ موت کے وقت تجھے انہیں میرے تابوت پر ڈالنا ہے)

ان کے دیگر اشعار بھی شیراز پہنچے، ایک روایت ہے کہ امیر خسرو نے بھیجے کہ سعدی وہاں تھے لیکن تاریخ سے ان باتوں کی تحقیق نہیں ہوتی۔ شاید اس لیے ان کے اشعار نہیں پہنچے کہ یہ امیر خسرو کے بچپن کا زمانہ تھا۔

بیان کرتے ہیں کہ خواجہ حسن (بیماری کی وجہ سے) مضطرب تھے، جان لبوں پر تھی اور ہوش رخصت ہو چکے تھے۔ اہل فضل کی ایک جماعت مثل خواجہ خسرو اور خواجہ منصور آپ کی عیادت کے لیے آئی۔ آپ سے پوچھا کہ آپ پہچانتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ آپ نے آنکھ کھولی اور کہا میں ان کے کلام کا غلام ہوں۔ تمام اہل فضل نے یہ جواب پسند کیا کہ ایسے وقت میں بھی ظرافت سے باز نہ رہے۔ اس بیماری سے حق تعالیٰ نے آپ کو شفا بخشی۔

منقول ہے کہ بادشاہوں کی مجلس میں دونوں بزرگوں کے درمیان قدرے نوک جھونک ہوئی تھی، اس سبب سے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ملال پیدا ہو جاتا تھا۔ آخر امیر سید مبارک علیؒ جو حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات کے جامع ہیں بیچ میں پڑے اور خواجہ حسن کے فرزند کو حضرت امیر خسرو کے مکان پر لے گئے اور ان کی صاحبزادی سے عقد کر دیا۔ جب یہ خبر حضرت سلطان المشائخؒ کے سماع مبارک تک پہنچی تو بے حد پسند فرمایا، اسی طرح تمام اصحاب کے لیے یہ خبر باعث مسرت و فرحت ہوئی۔ شادی کے آخر میں حضرت خواجہ حسنؒ بادشاہ کی خدمت میں گئے اور امر مذکورہ ظاہر کیا تو

۱۰۔ یہ اطلاع درست نہیں ہے۔ "سیر الاولیائی محبت الحق جل وعلیٰ" کے مصنف سید نور الدین مبارک کے بیٹے سید محمد بن مبارک المدعو بہ امیر خورد کرمانی م ۷۰۷ھ ہیں۔ یہ ملفوظات کی کتاب نہیں بلکہ مختصر طور پر مشائخ چشت کا تذکرہ اور مکمل طور پر حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوب الہی قدس سرہ کی سوانح حیات ہے۔ دہلی کے ایک مطبع کے مالک چرنجی لال نے اسے پہلی مرتبہ ۱۳۰۲ھ میں شائع کیا جو چرنجی لال ایڈیشن کہلاتا ہے۔ یہی ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں مرکز تحقیقات فارسی اور ایران نے اسلام آباد سے شائع کیا۔



بادشاہ خود آیا اور دہن کے جھیز کا سامان فراہم کیا۔ اس طرح جو تھوڑا سا تفرقہ تھا اس نکاح کے سبب ختم ہو گیا اور جمعیت خاطر حاصل ہوئی۔

اس کے بعد ملفوظ فوائد الفواد جس کی آپ ابتدا کر چکے تھے اس کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے، اور دن رات اس کے لکھنے میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ جس زمانے میں کہ آپ نے اس کا مسودہ ترتیب دیا اور صاف کیا کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ حق یہ ہے کہ وہ ملفوظ حقائق اسرار کا جامع اور انوار الہی کے دقائق پر حاوی ہے۔ جب ملک میں اس کے نسخے منتشر ہوئے تو درویشوں کے لیے معافی کے حصول اور معرفت الہی کے وصول کا موجب بنے۔ اس کے بعد دوسرے ملکوں میں اکابر کے ملفوظات تحریر کرنے کی روایت قائم ہوئی، جیسے کہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کے مقالات کو اسی اسلوب پر ایک شخص نے جمع کیا ہے۔

اس فقیر کو تصوف کی کتابوں میں سے جو ہندوستان میں تصنیف ہوئیں دو کتابیں ولایت (ہندوستان سے باہر ممالک) میں ملیں، ایک فوائد الفواد اور دوسری مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین، ان سے میں نے بہت استفادہ کیا فرزند درہتیم ط نے فقیر کے مکتوبات اس اسلوب پر جمع کیے ہیں۔